مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور پیغمبر

قرآن اپنے لانے والے کو کس رنگ میں پیش کرتا ہے؟

دنیا میں انسان کی ہدایت و رہ نمائی کے لیے ہمیشہ ایسے پاک نفوس پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے اپنی زبان اور اپنے عمل سے اس کو حق و صداقت کا سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ لیکن انسان اکثر ان کے اس احسان کا بدلہ ظلم ہی کی شکل میں دیتا رہا ہے۔ ان پر ظلم صرف ان کے اپنے مخالفوں ہی نے نہیں کیے کہ ان کے پیغام سے بے رخی برتی، ان کی صداقت سے انکار کیا، ان کی دعوت کو رَد کر دیا اور ان کو تکلیفیں دے کر راہِ حق سے پھیرنے کی کوشش کی۔ بلکہ ان پر ظلم ان کے عقیدت مندوں نے بھی کیا کہ ان کے بعد ان کی تعلیمات کو مسخ کیا، ان کی ہدایتوں کو بدل ڈالا، ان کی لائی ہوئی کتابوں میں تحریف کی اور خود ان کی شخصیتوں کو اپنی عجائب پسندی کا کھلونا بنا کر الوہیت اور خدائی کا رنگ دے دیا۔ پہلی قسم کا ظلم تو ان نفوسِ قدسیہ کی زندگی تک یا حد سے حد اس کے چند سال بعد تک ہی محدود رہا۔ مگر یہ دوسری قسم کا ظلم ان کے بعد صدیوں تک ہوتا رہا اور بہت سے بزرگوں کے ساتھ اب تک ہوئے جا رہا ہے۔

دنیا میں آج تک جتنے داعیانِ حق مبعوث ہوئے ہیں سب نے اپنی زندگی ان جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم کرنے میں صرف کی ہے، جنھیں انسان نے خداے واحد کو چھوڑ کر اپنا خدا بنالیا تھا۔ لیکن ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ ان کے بعد ان کے پیروؤں نے جاہلانہ عقیدت کی بنا پر خود انھی کو خدایا خدائی میں خدا کا شریک بنالیا اور وہ بھی ان بتوں میں شامل کر لیے گئے، جنھیں توڑنے میں انھوں نے اپنی تمام عمر کی محنتیں صرف کر دی تھیں۔

دراصل انسان اپنے آپ سے کچھ ایسا بدگمان ہے کہ اسے انسانیت میں قدسی وملکوتی صفات کے امکان اور وجود کا بہت کم یقین آتا ہے۔ وُہ اپنے آپ کو محض کم زوریوں اور پستیوں ہی کا مجموعہ سمجھتا ہے۔ اس کا ذہن اس حقیقتِ کبریٰ کے علم واذعان سے عموماً خالی رہتا ہے کہ اس کے جسدِ خاکی میں حق جل مجدہٗ نے وہ قوتیں بھی ودیعت کی ہیں، جو اس کو بشر ہونے اور بشری صفات سے متصف رہنے کے باوجود عالمِ پاک میں ملائکہ مقربین سے بھی بلند درجے تک پہنچا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اس دنیا میں کسی انسان نے اپنے آپ کو خدا کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کیا ہے تو اس کے ہم جنسوں نے پہلے تو یہ دیکھ کر کہ یہ تو ہماری ہی طرح گوشت پوست کا انسان ہے، اسے خدا رسیدہ ماننے سے صاف انکار کر دیا اور جب بالآخر اس کی ذات میں غیر معمولی محاسن کا جلوہ دیکھ کر سرِ عقیدت جھکایا تو پھر کہا کہ جو ہستی ایسی غیر معمولی خوبیوں کی مالک ہو وہ ہرگز بشر نہیں ہو سکتی۔ پھر کسی گروہ نے اس کو خدا بنایا، کسی نے حلول کا عقیدہ ایجاد کر کے یقین کر لیا کہ خدا نے اس کی شکل میں ظہور کیا تھا، کسی نے اس کے اندر خدائی صفات اور خداوندانہ اختیارات کا گمان کیا اور کسی نے حکم لگا دیا کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ٥ (الانعام:۱۰۰)

”حالاں کہ وہ پاک اور بالاتر ہے، ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔“

دنیا کے کسی پیشوائے دین کی زندگی کو لے لو۔ تم دیکھو گے کہ اس کی ذات پر سب سے زیادہ ظلم اس کے معتقدین ہی نے کیا ہے۔ انھوں نے اس پر اپنے تخیلات واوہام کے اتنے پردے ڈال دیے ہیں کہ اس کی شکل وصورت دیکھنا ہی بالکل محال ہو گیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ان کی محرف کتابوں سے یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ اس کی اصلی تعلیم کیا تھی، بلکہ ہم ان سے یہ بھی معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ خود اصل میں کیا تھا۔ اس کی پیدائش میں اعجوبگی، اس کی طفولیت میں اعجوبگی، اس کی جوانی اور بڑھاپے میں اعجوبگی، اس کی زندگی کی ہر ہر بات میں اعجوبگی اور اس کی موت تک میں اعجوبگی۔ غرض ابتدا سے لے کر انتہا تک وہ ایک افسانہ ہی افسانہ نظر آتا ہے اور اس کو اس شکل میں پیش کیا جاتا ہے کہ یا تو وہ خود خدا تھا، یا خدا کا بیٹا تھا، یا خدا اس میں حلول کر گیا تھا، یا کم از کم وہ خدائی میں کسی حد تک شریک وسہیم تھا۔

مثال کے طور پر گوتم بدھ کو دیکھو۔ بدھ مذہب کے نہایت گہرے مطالعے سے صرف اتنا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس اولوالعزم انسان نے برہمنیت کے بہت سے نقائص کی اصلاح کی تھی اور خصوصیت کے ساتھ ان بے شمار ہستیوں کی خدائی کا بطلان کیا تھا، جن کو اس عہد کے لوگوں نے

اپنا معبود بنالیا تھا۔ مگر اس کے انتقال کو پوری ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ ’’ویسالی‘‘ کی کونسل میں اس کے پیرووں نے اس کی تمام تعلیمات کو بدل ڈالا۔ اصل سوتروں کے بجائے نئے سوتر بنالیے اور اصول اور فروع میں اپنے اہوا و افکار کے مطابق جس طرح چاہا تصرف کر ڈالا۔ ایک طرف انھوں نے بودھ کے نام سے اپنے مذہب کے ایسے عقائد مقرر کرلیے، جن میں خدا کا سرے سے وجود ہی نہ تھا اور دوسری طرف بودھ کو عقلِ کل، مدارِ کائنات اور ایک ایسی ہستی قرار دے لیا، جو ہر عہد میں دنیا کی اصلاح کے لیے بدھ بن کر آیا کرتی ہے۔ اس کی پیدائش، زندگی اور گزشتہ و آئندہ جنموں کے متعلق ایسے ایسے عجیب افسانے بنالیے، جن کو پڑھ کر پروفیسر ولسن جیسے محققین حیران ہو کر یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ تاریخ میں فی الواقع بودھ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ تین چار صدی کے اندر ان افسانوں نے بودھ میں الوہیت کا رنگ بھر دیا اور کنشک کے زمانے میں بودھ مت کے اعیان و ائمہ کی ایک بہت بڑی کونسل نے (جو کشمیر میں منعقد ہوئی تھی) فیصلہ دے دیا کہ بودھ دراصل خدا کا مادّی ظہور تھا، یا بالفاظِ دیگر خدا اس کے جسم میں حلول کر گیا تھا۔

یہی سلوک رام چندر جی کے ساتھ ہوا۔ رامائن کے مطالعے سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ راجہ رام چندر جی محض ایک انسان تھے۔ نیک دلی، انصاف، شجاعت، فیاضی، تواضع، حلم اور ایثار میں کمال کا مرتبہ تو انھیں ضرور حاصل تھا، مگر الوہیت کا شائبہ تک ان میں نہ تھا۔ لیکن بشریت اور ان اعلیٰ صفات کا اجتماع ایک ایسا معمّا ثابت ہوا کہ اہلِ ہند کی عقل اس کو حل نہ کرسکی۔ چناں چہ رام چندر کی وفات پر ایک زمانہ گزرنے کے بعد یہ عقیدہ تسلیم کرلیا گیا کہ ان کے اندر وشنو(۱) نے حلول کیا تھا اور وہ ان ہستیوں میں سے ایک تھے، جن کی شکل میں وشنو جی سنسار کی اصلاح کے لیے بہ اوقاتِ مختلفہ ظہور کرتے رہے ہیں۔

سری کرشن اس معاملے میں ان دونوں سے زیادہ مظلوم ہیں۔ بھگوت گیتا تحریف و تنسیخ کے کئی عملوں سے نکل کر جس شکل میں ہم تک پہنچی ہے اس کے عمیق مطالعے سے کم از کم اتنا معلوم ہوتا

(۱) وشنو ہندوؤں کے موجودہ عقائد کے مطابق کائنات کی پرورش کرنے والے خدا یا دیوتا کا نام ہے۔ غالباً اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا تصوّر تھا، جسے بعد میں ایک مستقل شخصیت قرار دے لیا گیا۔ ہندوؤں میں دیوتا پرستی کی ابتدا اسی طرح ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہر صفت کو انھوں نے ذاتِ حق سے الگ کر کے بہ جائے خود ایک خدا ٹھیرا لیا۔

ہے کہ کرشن جی ایک موحد تھے اور انھوں نے ہستی باری تعالیٰ کے ہمہ گیر قادرِ مطلق اور شدید القویٰ ہونے کا وعظ کہا تھا۔ لیکن مہا بھارت، وشنو پران، بھاگوت پران وغیرہ کتابیں اور خود گیتا ان کو اس طرح پیش کرتی ہیں کہ ایک طرف وہ وشنو کے جسمانی مظہر، خالقِ موجودات اور مدبرِ کائنات نظر آتے ہیں اور دوسری طرف ایسی ایسی کم زوریاں ان کی طرف منسوب ہیں کہ انھیں خدا تو خدا، پاکیزہ اخلاق کا انسان بھی تسلیم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گیتا میں کرشن جی کے یہ اقوال ملتے ہیں:

> ''اس دنیا کا ماں باپ، سہارا اور بابا میں ہی ہوں۔ جو کچھ پاکیزہ یا جو کچھ جاننے کے قابل ہے وہ سب اور اونکار(۱)، رگ وید، یجر وید، سام وید بھی میں ہی ہوں۔ سب کا پالنے والا، مالک، گواہ، جائے قیام، جائے پناہ، باعثِ پیدائش، باعثِ خاتمہ، باعثِ قیام، خزانہ اور پیدائش کا لازوال بیج میں ہی ہوں۔ ارے ارجن! میں گرمی دیتا ہوں، میں پانی روکتا ہوں، میں برساتا ہوں، میں امرت ہوں اور موت، ست اور است(۲) بھی میں ہی ہوں۔'' (۹:۱۷-۱۹)

> ''تمام دیوتا گن(۳) اور مہرشی(۴) میری پیدائش کو نہیں جانتے۔ کیوں کہ سب دیوتاؤں اور مہرشیوں کی ابتدا بہر حال مجھ ہی سے ہے۔ جو شخص یہ جانتا ہے کہ میں پرتھوی(۵) وغیرہ سب لوگوں(۶) کا بڑا ایشور ہوں اور میرا جنم یعنی آغاز نہیں ہے، وہی انسانوں میں موہ(۷) سے آزاد ہو کر سب پاپوں سے چھوٹ جاتا ہے۔'' (۱۰:۲-۳)

> ''ہے گڈاکیش(۸)! سب جانداروں میں رہنے والی آتما(۹) میں ہوں۔ سب جانداروں کا آغاز، وسط اور انجام بھی میں ہی ہوں۔ بارہ آدیتوں میں وشنو(۱۰) میں ہوں۔ تیجسویوں(۱۱) میں کرنوں کی مالا والا سورج، مرتوں میں مریچی(۱۲) اور نکھشتروں میں چندرماں(۱۳) بھی میں ہوں۔'' (۱۰:۲-۲۱)

---

(۱) واحد کارگزار (۲) سچ اور جھوٹ (۳) دیوتا لوگ (۴) اولیا (۵) زمین (۶) لوک یعنی عالم، جہان (۷) لگاؤ۔ دنیا کی محبت (۸) اے گندھے ہوئے بالوں والے مراد ارجن ہے (۹) تمام جان داروں کی روح (۱۰) ہندوؤں کے تمام دیوتاؤں میں سے ۱۲ دیوتا سب سے بڑے ہیں، جن کو آدتیہ کہتے ہیں اور وشنو ان میں سب سے بڑا دیوتا ہے۔ یہ ۱۲ آدتیہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ادیتی کے بیٹے تھے (۱۱) تیجسوی یعنی نیر (۱۲) ہندوؤں کی اصطلاح میں مرت ان ۴۹ دیوتاؤں کا نام ہے جو ہوا کا انتظام کرتے ہیں اور ان کے سردار کا نام مریچی ہے (۱۳) تاروں میں چاند۔

''ایسا کوئی متحرک یا ساکن جاندار نہیں جو مجھ سے باہر ہو، میں صرف اپنے ایک ہی حصہ سے اس تمام جگت میں پھیلا ہوا ہوں۔'' (۲۹:۱۰-۴۴)

''ہے پانڈو! جو شخص اس بدھی[۱] کے ساتھ کرم[۲] کرتا ہے۔ کہ یہ سب کرم میرے یعنی پرمیشور کے ہیں، جو میرا بھروسا رکھ کر اور سب تعلقات چھوڑ کر سب جانداروں کے بارے میں نرویر[۳] ہے وہ میرا بھگت مجھ میں مل جاتا ہے۔'' (۵۵:۱۱)

''میں سب جانداروں کا مالک ہوں اور پیدائش سے بالاتر ہوں اگرچہ میرے آتم سروپ میں کبھی تغیر نہیں ہوتا[۴]، مگر پھر بھی میں اپنی پرکرتی (خاصیت) میں قائم ہوکر اپنی مایا[۵] سے جنم لیا کرتا ہوں۔ ہے بھارت[۶]! جب دھرم کا تنزل ہوتا ہے اور ادھرم کا زور پھیل جاتا ہے تب میں خود ہی جنم لیا کرتا ہوں۔ نیکوں کی حفاظت اور بروں کی ناش کرنے کے لیے اور یگ یگ[۷] میں دھرم قائم کرنے کے لیے میں جنم لیا کرتا ہوں۔''

(۶:۴-۸)

ان اقوال میں صاف طور پر گیتا کے کرشن نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے[۸]۔ مگر دوسری طرف بھاگوت پران انھی کرشن جی کو اس شکل میں پیش کرتی ہے کہ وہ نہاتے میں گوپیوں کے کپڑے چھپا لیتے ہیں، ان سے لطف اندوز ہونے کے لیے اتنے ہی جسم پیدا کر لیتے ہیں جتنی کہ گوپیاں تھیں، اور جب شک رشی سے راجہ پرکشت پوچھتا ہے کہ ''خدا تو اوتار کی شکل میں اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ سچا دھرم پھیلائے، پھر یہ کیسا خدا ہے کہ دھرم کے تمام اصول کے خلاف دوسروں کی عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے؟'' تو رشی کو یہ اعتراض رفع کرنے کے لیے اس حیلے کے دامن میں پناہ لینی پڑتی ہے کہ ''خود دیوتا بھی بعض اوقات نیکی کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں، مگر ان کے گناہ ان کی ذات پر اسی طرح اثر نہیں کرتے جس طرح آگ تمام چیزوں کو جلانے کے باوجود موردِ الزام نہیں ہوسکتی۔''

---

(۱) بدھی یعنی شعور (۲) فعل کا کام (۳) عداوت سے مبرّا (۴) میری ذات میں کبھی تغیر نہیں ہوتا (۵) مایا یعنی قدرت یا تدبیر (۶) بھارت یعنی نیک (۷) یگ یعنی زمانہ۔

(۸) اگر گیتا خود اس بات کی مدعی ہوتی کہ وہ خدا کی کتاب ہے اور کرشن اس کے پیش کرنے والے نبی ہیں تو مندرجہ بالا اقوال بیشتر خدا کے قرار پا سکتے تھے اور کرشن جی کی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب نہ ہوتا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یہ کتاب خود اپنے آپ کو کرشن کے اپدیش کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ پوری گیتا میں کہیں کوئی اشارہ تک بھی اس بات کی طرف نہیں ہے کہ وہ کلامِ الٰہی ہے۔

کوئی سلیم العقل آدمی یہ باور نہیں کرسکتا کہ کسی بلند پایہ معلمِ دین کی زندگی ایسی ناپاک ہوسکتی ہے، اور نہ وہ یہی تصور کرسکتا ہے کہ کسی سچے مذہبی پیشوا نے فی الحقیقت اپنے آپ کو انسانوں کے اور کائنات کے رب کی حیثیت سے پیش کیا ہوگا۔ لیکن قرآن اور بائیبل کے متقابل مطالعے سے یہ حقیقت واضح طور پر ہمارے سامنے روشن ہوجاتی ہے کہ قوموں نے اپنے ذہنی انحطاط اور اخلاقی زوال کے دور میں کس طرح دنیا کے پاکیزہ ترین انسانوں کی سیرتوں کو ایک طرف گندی سے گندی شکل میں ڈھالا ہے۔ تاکہ خود اپنی کمزوریوں کے لیے وجہِ جواز پیدا کریں اور دوسری طرف ان کی شخصیتوں کے گرد کیسے کیسے وہمی افسانے جمع کردیے ہیں۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ یہی سب کچھ کرشن جی کے ساتھ بھی ہوا ہوگا اور ان کی اصل تعلیم اور اصل شخصیت اس سے بالکل مختلف ہوگی جیسی ہندوؤں کی کتابیں اسے پیش کرتی ہیں۔

جن بزرگوں کی نبوت معلوم و مسلم ہے ان میں سب سے بڑھ کر ظلم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ویسے ہی ایک انسان تھے جیسے سب انسان ہوا کرتے ہیں۔ بشریت کی تمام خصوصیتیں ان میں بھی اسی طرح موجود تھیں جس طرح ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت و نبوت اور اعجاز کی قوتیں عطا فرما کر ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کے لیے مامور فرمایا تھا۔ لیکن اوّل تو ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور پورے تین سال بھی ان کے وجودِ مسعود کو برداشت نہ کرسکی، یہاں تک کہ عین عالمِ شباب میں انھیں قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر جب وہ ان کے بعد ان کی عظمت کی قائل ہوئی تو اس قدر حد سے تجاوز کرگئی کہ ان کو خدا کا بیٹا بلکہ عین خدا بنا دیا۔ اور یہ عقیدہ ان کی طرف منسوب کیا کہ خدا مسیح کی شکل میں اس لیے نمودار ہوا تھا کہ صلیب پر چڑھ کر انسان کے گناہوں کا کفّارہ ادا کرے، کیوں کہ انسان فطرتاً گناہ گار تھا اور خود اپنے عمل سے اپنے لیے نجات حاصل نہ کرسکتا تھا۔ معاذ اللہ! ایک نبی صادق اپنے پروردگار پر اتنا بڑا بہتان کس طرح اٹھا سکتا تھا۔ مگر اس کے معتقدوں نے جوشِ عقیدت میں اس پر یہ بہتان اٹھایا اور اس کی تعلیمات میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق اتنی تحریف کی کہ آج دنیا کی کسی کتاب میں (سوائے قرآن کے) مسیح کی اصلی تعلیم اور خود ان کی حقیقت کا نشان نہیں ملتا۔ بائیبل کے عہدِ جدید میں جو کتابیں اناجیلِ اربعہ کے نام سے موجود ہیں انھیں اٹھا کر دیکھ جاؤ۔ سب حلول، ابنیت اور عنیت کے فاسد تخیلات سے آلودہ ہیں۔ کہیں حضرت مریمؑ کو بشارت

ہوتی ہے کہ تیرا بچہ خدا کا بیٹا کہلائے گا (لوقا ۱:۳۵)، کہیں خدا کی روح کبوتر کے مانند یسوع پر اتر آتی ہے اور پکار کر کہتی ہے کہ ''یہ میرا پیارا بیٹا ہے'' (متی ۱۶:۱۷)۔ کہیں مسیح خود کہتا ہے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں اور تم مجھے قادرِ مطلق کے داہنی جانب بیٹھے ہوئے دیکھو گے (مرقس ۱۴:۶۲)۔ کہیں روزِ جزا میں خدا کے بہ جائے مسیحؑ کو تختِ جلال پر بٹھایا جاتا ہے اور وہ سزا و جزا کے فرمان کو نافذ کرتا ہے (متی ۲۵:۳۱-۴۶)، کہیں مسیح کے منہ سے کہلوایا جاتا ہے کہ ''باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں ہوں'' (یوحنا ۱۰:۳۸)، کہیں اس راست گو انسان کی زبان سے یہ غلط الفاظ نکلوائے جاتے ہیں کہ ''میں خدا میں سے نکل کر آیا ہوں'' (یوحنا ۸:۴۲)، کہیں اس کو اور خدا کو بالکل ایک کر دیا جاتا ہے اور اس کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ ''جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا'' اور ''باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے'' (یوحنا ۱۴:۹-۱۰)۔ کہیں خدا کی تمام چیزیں مسیح کی طرف منتقل کر دی جاتی ہیں (یوحنا ۳:۳۵) اور خدا اپنی خدائی کا سارا کاروبار مسیح کے سپرد کر دیتا ہے۔
(یوحنا ۵:۲۰-۲۲)

ان مختلف قوموں نے اپنے پیشواؤں اور ہادیوں پر جتنے بہتان و افترا کے ردّے چڑھائے ہیں۔ ان کی اصل وجہ وہی غلو ہے، جس کا ہم نے ابتدا میں ذکر کیا ہے۔ پھر اس خرابی کو جس چیز سے سب سے زیادہ مدد ملی وہ یہ تھی کہ ان بزرگوں کے بعد اکثر حالات میں تو ان کی ہدایات اور تعلیمات کو تحریری شکل میں قلم بند ہی نہ کیا گیا اور بعض حالات میں اس طرف توجہ کی بھی گئی تو اس کی حفاظت کا کوئی خاص اہتمام نہ کیا گیا۔ اس لیے تھوڑا زمانہ گزرنے کے بعد اس میں اتنی آمیزش اور تحریف و ترمیم ہوگئی کہ اصل و جعل میں امتیاز کرنا محال ہو گیا۔ اسی طرح کسی واضح ہدایت کے موجود نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنا جتنا زمانہ گزرتا گیا حقیقت پر اوہام غالب آتے گئے اور چند صدیوں میں ساری حقیقت گم ہوگئی۔ صرف افسانے ہی افسانے باقی رہ گئے۔

دنیا کے تمام ہادیوں میں یہ خصوصیت صرف محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی تعلیم اور آپ کی شخصیت ۱۳ صدیوں سے بالکل اپنے حقیقی رنگ میں محفوظ ہے اور خدا کے فضل سے کچھ ایسا انتظام ہو گیا ہے کہ اب اس کا بدلنا غیر ممکن ہے۔ انسان کی اوہام پرستی اور اعجوبہ پسندی سے بعید نہ تھا کہ وہ اس برگزیدہ ہستی کو بھی، جو کمال کے سب سے اعلیٰ درجے پر پہنچ چکی تھی، افسانہ بنا کر

الوہیت سے کسی نہ کسی طرح متصف کر ڈالتی اور پیروی کے بہ جائے محض ایک تحیر واستعجاب اور عبادت و پرستش کا موضوع بنالیتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو بعثتِ انبیاء کے آخری مرحلے میں ایک ایسا ہادی و رہنما بھیجنا منظور تھا، جس کی ذات انسان کے لیے دائمی نمونۂ عمل اور عالم گیر سرچشمۂ ہدایت ہو۔ اس لیے اس نے محمد بن عبداللہ ﷺ کی ذات کو اس ظلم سے محفوظ رکھا، جو جاہل معتقدوں کے ہاتھوں دوسرے انبیاء اور ہادیانِ اقوام کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اوّل تو آپ کے صحابہ و تابعین اور بعد کے محدّثین نے پچھلی امتوں کے برعکس، اپنے نبی کی سیرت کو محفوظ رکھنے کا خود ہی غیر معمولی اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے ـــــ ہم آپ کی شخصیت کو ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی آج تقریباً اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتے ہیں جتنے قریب سے خود آپ کے عہد کے لوگ دیکھ سکتے تھے۔ لیکن اگر کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ دنیا سے مٹ جائے جو ائمۂ اسلام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے، حدیث و سیَر کا ایک ورق بھی دنیا میں نہ رہے، جس سے محمد ﷺ کی زندگی کا کچھ حال معلوم ہوسکتا ہو اور صرف کتاب اللہ (قرآن) ہی باقی رہ جائے۔ تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں جو اس کے لانے والے کے متعلق ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

آیئے اب ہم دیکھیں کہ قرآن اپنے لانے والے کو کس رنگ میں پیش کرتا ہے؟

۱- قرآن مجید نے رسالت کے معاملے میں سب سے پہلے جس مسئلے کو انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ رسول کی بشریت ہے۔ نزولِ قرآن سے پہلے صدیوں کے معتقدات نے یہ ایک طے شدہ مسئلہ بنا دیا تھا کہ انسان کبھی اللہ کا رسول اور نائب نہیں بن سکتا، دنیا کی اصلاح کے لیے جب کبھی ضرورت ہوتی ہے خدا خود ہی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے، یا کسی فرشتے یا دیوتا کو بھیج دیتا ہے۔ اور یہ کہ جتنے بزرگ دنیا میں اصلاح کے لیے آئے ہیں وہ سب کے سب فوق البشر ہستی تھے، اس عقیدے نے انسان میں اتنی گہری جڑیں پکڑ لی تھیں کہ جب کبھی اللہ کا کوئی نیک بندہ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آتا تو سب سے پہلے لوگ حیرت سے پوچھتے تھے یہ کیسا نبی ہے، جو ہماری طرح کھاتا پیتا، سوتا اور چلتا پھرتا ہے؟ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ ہماری طرح تمام عوارض اس کو بھی لاحق ہوتے ہیں؟ بیمار ہوتا ہے تکلیف اور راحت میں مبتلا ہوتا ہے اور رنج و مسرت سے متاثر ہوا کرتا ہے۔ اگر اللہ کو ہماری ہدایت مقصود ہوتی تو وہ ہم جیسا

ایک کم زور انسان کیوں بھیجتا؟ کیا خدا خود نہیں آسکتا تھا؟ یہ سوالات ہر نبی کی بعثت پر ہوتے تھے اور انھی کو حجت بنا کر لوگ انبیاء کا انکار کیا کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السّلام جب اپنی قوم کی طرف پیغام لے کر آئے تو کہا گیا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ۝ۖ

(المومنون: ۲۴)

''یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے۔ اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو فرشتے بھیجتا۔ یہ بات تو ہم نے کبھی اپنے باپ دادا کے وقتوں میں سنی ہی نہیں کہ بشر رسول بن کر آئے)۔''

جب حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تو ان پر بھی سب سے پہلے یہی اعتراض ہوا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ۙ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ۙ

(المومنون: ۳۳، ۳۴)

''یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک بشر ہے تم ہی جیسا۔ وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو بڑے ٹوٹے میں رہو گے۔''

حب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس صداقت کا پیغام لے کر پہنچے تو ان کی بات ماننے سے بھی اسی بنا پر انکار کر دیا گیا:

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا (المومنون: ۴۷)

''کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟''

چناں چہ ٹھیک یہی سوال اس وقت بھی اٹھا جب مکہ کے ایک امی انسان نے چالیس برس تک خاموش زندگی بسر کرنے کے بعد دفعتاً اعلان کیا کہ میں خدا کی طرف سے رسول مقرر کیا

گیا ہوں۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ ایک شخص جو ہماری طرح ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک اور جسم و جان رکھتا ہے، کیوں کر اللہ کا رسول ہوسکتا ہے وہ حیران ہو کر پوچھتے تھے کہ:

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ (الفرقان:۷،۸)

"یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس پر کوئی فرشتہ اترا کہ اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟ یا کم از کم اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اتارا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس کے پھل یہ کھاتا۔"

یہ غلط فہمی چوں کہ رسالت کے تسلیم کیے جانے میں سب سے زیادہ مانع ہو رہی تھی اس لیے قرآن مجید میں پورے زور کے ساتھ اس کی تردید کی گئی اور دلائل کے ساتھ بتایا گیا کہ انسان کی ہدایت کے لیے انسان ہی زیادہ موزوں ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ بعثت کا مقصود صرف تعلیم ہی دینا نہیں ہے بلکہ خود عمل کر کے دکھانا اور تقلید و پیروی کے لیے ایک نمونہ پیش کرنا بھی ہے اور اس مقصد کے لیے ایک فرشتہ یا اور کوئی فوق البشر ہستی بھیجی جائے، جس میں بشری خصائص اور کم زوریاں موجود نہ ہوں تو انسان کہہ سکتا ہے کہ ہم اس طرح کیوں کر عمل کر سکتے ہیں جب کہ وہ ہماری طرح نفس اور نفسانی خواہشات ہی نہیں رکھتا اور اس کی فطرت میں وہ قوتیں ہی نہیں، جو انسان کو گناہ کی طرف راغب کرتی ہیں:

لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ (بنی اسرائیل:۹۵)

"اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو البتہ ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے ہی کو ان کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔"

پھر صاف طور پر تصریح کی کہ اس سے پہلے جتنے انبیاء اور ہادیان برحق مختلف قوموں میں بھیجے گئے ہیں وہ سب ایسے ہی انسان تھے، جیسے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور اسی طرح کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے، جس طرح ہر انسان کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ اِلَّا رِجَالاً نُّوۡحِیۡٓ اِلَیۡهِمۡ فَسۡئَلُوۡٓا اَهۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ o وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا کَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ o (الانبیاء:۷،۸)

''ہم نے تم سے پہلے جن لوگوں کو بھیجا تھا وہ بھی آدمی ہی تھے جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ ہم نے ان انبیاء کو ایسے جسم نہیں دیے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر فانی تھے۔''

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّآ اِنَّهُمۡ لَیَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَ یَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ ط (الفرقان:۲۰)

''اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔''

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلاً مِّنۡ قَبۡلِکَ وَ جَعَلۡنَا لَهُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ ذُرِّیَّةً ط

(الرّعد:۳۸)

''تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ تم اپنے بشر ہونے کا صاف اعلان کرو تا کہ آپ کے بعد لوگ آپ کو بھی اسی طرح الوہیت سے متصف نہ کرنے لگیں، جس طرح آپ سے پہلے دوسرے انبیاء کو کر چکے تھے۔ چناں چہ قرآن مجید میں متعدد جگہ یہ آیت آئی ہے:

قُلۡ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُکُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج

(الکہف:۱۱۰)

''اے محمدؐ۔ کہہ دو کہ میں تو محض تمھی جیسا انسان ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔''

ان تصریحات نے صرف محمد ﷺ ہی کے متعلق تمام فاسد عقائد کا دروازہ بند نہیں کیا۔ بلکہ تمام انبیاء سابقین و بزرگانِ دین کی ذات سے بھی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔

۲- دوسری چیز جس کو نہایت وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، نبی کی قوت وقدرت کا مسئلہ ہے۔ جہل ونادانی نے جب خدارسیدگی کو خدائی کا ہم معنیٰ بنادیا تو طبعاً اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی پیدا ہوگیا کہ خدارسیدہ لوگوں میں غیر معمولی طاقتیں ہوتی ہیں، خدا کے کارخانے میں ان کو کچھ خاص اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جزاوسزا میں ان کو دخل ہوتا ہے، غیب وشہادت سب کچھ ان پر روشن ہوتا ہے، قسمتوں کے فیصلے ان کی مرضی ورائے سے ادلتے بدلتے ہیں، نفع وضرر پر ان کو اقتدار ہوتا ہے، خیر وشر کے وہ مالک ہوتے ہیں، کائنات کی تمام قوتیں ان کے تابع ہوتی ہیں، اور وہ بیک نظر لوگوں کے دلوں کو بدل کر ان کی ظلمت وضلالت کو دور کرسکتے ہیں۔ ایسے ہی خیالات تھے جن کی بنا پر لوگ رسول اللہ ﷺ سے بھی عجیب عجیب مطالبے کرتے تھے۔ چناں چہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًاۙ اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًاۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ قَبِیْلًاۙ اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۠

(بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳)

"انھوں نے کہا ہم تو تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جب تک تم ہمارے لیے زمین میں سے ایک چشمہ نہ نکال دو، یا تمھارے لیے خرما اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور اس میں تم نہریں رواں کردو، یا جیسا کہ تم کہا کرتے ہو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرادو، یا اللہ اور ملائکہ کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو، یا تمھارے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمھارے چڑھنے پر بھی اس وقت تک یقین نہ

کریں گے، جب تک کہ تم ہمارے اوپر ایسی ایک تحریر نازل نہ کرو جسے ہم پڑھیں، اے محمد، ان سے کہو، پاک ہے میرا رب، کیا میں ایک پیغمبر انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟''

خدا رسیدگی اور بزرگی کے متعلق جتنے غلط تصورات لوگوں میں پائے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی تردید فرمائی اور صاف بتادیا کہ رسول کا خدائی طاقتوں اور خدائی کاموں میں ذرّہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے۔ چناں چہ فرمایا نبی ہمارے اذن کے بغیر دوسروں کو ضرر سے بچانا تو درکنار خود اپنے آپ سے بھی ضرر کو دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا:

وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (الانعام:۱۷)

''اے نبی! اگر خدا تمھیں کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نقصان کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تمھیں فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

قُلْ لَّاۤ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ؕ (یونس:۴۹)

''اے محمد! کہو میں تو اپنی ذات کے لیے بھی نفع یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتا سوائے اس کے جو خدا چاہے۔''

اور فرمایا کہ نبی کے پاس اللہ کے خزانوں کی کنجیاں نہیں، نہ وہ علمِ غیب رکھتا ہے، اور نہ اس کو فوق العادت قوتیں حاصل ہیں:

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ؕ (الانعام:۵۰)

''اے محمد! کہو، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا حال جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہی کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (انسانی کمزوریوں سے پاک ہوں) میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔''

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ

السُّوْءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۸۸)

"اور اگر میں غیب جاننے والا ہوتا تو اپنے لیے بہت کچھ فائدے سمیٹ لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک متنبہ کرنے والا ہوں اور جو میری بات مان لیں ان کو خوش خبری دینے والا ہوں۔"

اور فرمایا نبی کو حساب کتاب اور جزا و سزا میں بھی کچھ دخل نہیں، اس کا کام صرف پیغام پہنچانا اور سیدھی راہ دکھانا ہے۔ آگے محاسبہ اور مواخذہ کرنا اور لوگوں کو جزا و سزا دینا خدا کا کام ہے:

قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانعام:۵۷، ۵۸)

"اے محمد! ان لوگوں سے کہو کہ میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ اب یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے کہ جس عذاب کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو وہ میں خود تمھارے اوپر نازل کر دوں فیصلہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی امرِ حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر کہیں وہ عذاب میرے اختیار میں ہوتا جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمھارے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اللہ ہی ظالموں سے نمٹنا خوب جانتا ہے۔"

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ (الرعد:۴۰)

"اے نبی! تمھارا کام تو بس پیغام پہنچا دینا ہے۔ حساب لینا ہمارا کام ہے۔"

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ (الزمر:۴۱)

"اے نبی! ہم نے لوگوں (کی ہدایت) کے لیے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری

ہے۔اب جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے اپنے ہی لیے اچھا کرتا ہے اور جو گم راہی میں پڑتا ہے اپنے ہی حق میں برا کرتا ہے اور تم ان پر کوئی حوالہ دار نہیں ہو۔''

اور فرمایا لوگوں کے دلوں کو پھیر دینا اور جن لوگوں میں قبولِ حق کی آمادگی نہ ہو ان میں ایمان پیدا کر دینا نبی کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ ہادی صرف اس معنیٰ میں ہے کہ نصیحت اور تذکیر کا جو حق ہے اس کو وہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے، اور جو راستہ دیکھنا چاہے اُسے راستہ دکھا دیتا ہے:

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ o وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ o (النمل:۸۰،۸۱)

''تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں تک آواز پہنچا سکتے ہو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں۔ اور نہ تم اندھوں کو گم راہی سے نکال کر سیدھے راستہ پر ڈال سکتے ہو۔ تم تو صرف انھی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں پھر سرِ اطاعت جھکا دیتے ہیں۔''

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ o اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ o اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ (فاطر:۲۲-۲۴)

''تم قبر کے مردوں کو سنانے والے نہیں ہو، تم تو صرف آگاہ کر دینے والے ہو اور ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

پھر یہ بھی صاف بتا دیا کہ نبی کو جو کچھ قدر و عزت اور علوِ مرتبت حاصل ہے سب اس بنا پر ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام پر ٹھیک ٹھیک چلتا ہے اور جو کچھ کلام اس پر نازل کیا جاتا ہے اسے جوں کا توں اللہ کے بندوں تک پہنچا دیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ اطاعت سے منہ موڑے اور اللہ کے کلام میں اپنے دل سے گھڑ کر باتیں ملا دے تو اس کا کوئی امتیاز باقی نہ رہے، بلکہ وہ خدا کی پکڑ سے بچ بھی نہ سکے:

وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَ ھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّکَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ o (البقرہ:۱۴۵)

''اور اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس علم کے باوجود جو تمھارے پاس آ گیا ہے، تو یقیناً اس صورت میں تم ظالم ہو گے۔''

وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ (البقرہ:۱۲۰)

''اور اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمھارے پاس آیا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تمھیں اللہ کی سزا سے بچانے والا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔''

قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝
(یونس:۱۵)

''اے محمد! ان سے کہو، مجھ کو اس کلام میں اپنی طرف سے کچھ ردّ و بدل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔''

یہ باتیں اس لیے نہیں کہی گئی ہیں کہ معاذ اللہ رسول اکرمؐ سے کسی نافرمانی یا تحریف و تلبیس کا ادنیٰ سا اندیشہ تھا۔ دراصل ان سے مقصود دنیا پر یہ حقیقت واضح کرنا تھا کہ نبی کو بارگاہِ ربّ العزت میں جو تقرب حاصل ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ نبی کی ذات سے اللہ کا کوئی رشتہ ہے، بلکہ اس کے مقرب ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کا نہایت درجہ مطیعِ فرمان اور دل و جان سے اس کا بندہ ہے۔

۳- تیسری چیز جس کا بارہا نہایت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کوئی نئے نبی نہیں ہیں، بلکہ جماعت انبیاء کے ایک فرد اور اس سلسلۂ نبوت کی ایک کڑی ہیں، جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آپ کی بعثت تک جاری رہا اور جس میں ہر قوم اور ہر زمانے کے انبیاء و رسل شامل ہیں۔ قرآنِ حکیم نبوت و رسالت کو کسی ایک ذات یا ایک ملک یا ایک قوم سے مخصوص نہیں کرتا بلکہ وہ صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانے میں ایسے مقدّس نفوس پیدا کیے ہیں، جنھوں نے انسان کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت

دی ہے اور گم راہی کے برے نتائج سے ڈرایا ہے:

وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر:۲۴)

"کوئی قوم ایسی نہیں گزری ہے، جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔"

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل:۳۶)

"اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا، جس نے پیغام دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے پرہیز کرو۔"

اور انھی پیغمبروں اور ڈرانے والوں میں سے ایک محمد ﷺ بھی ہیں۔ چناں چہ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے:

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝ (النجم:۵۶)

"یہ ایک ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں میں سے۔"

اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ۙ (یٰسٓ:۳)

"اے محمد! یقیناً تم پیغمبروں میں سے ہو۔"

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

(الاحقاف:۹)

"اے محمد! کہو، میں کوئی نرالا رسول نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ برتا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے اور میں محض ایک ڈرانے والا ہوں صاف صاف۔"

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ

(آل عمران:۱۴۴)

"محمدؐ کچھ نہیں ہے مگر ایک رسول اور اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔"

یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ رسول عربی کی دعوت وہی دعوت ہے، جس کی طرف ابتدائے آفرینش سے ہر داعیِ حق بلاتا رہا ہے، اور آپ اسی دینِ فطرت کی طرف تلقین کرتے ہیں، جس کی تلقین ہمیشہ اللہ کے ہر نبی اور رسول نے کی ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ (البقرہ ۲: ۱۳۶، ۱۳۷)

”کہو، ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کی تعلیم پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور اس تعلیم پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی تھی اور جو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مطیعِ فرمان ہیں۔ پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں، جس طرح تم لائے ہو تو وہ سیدھے راستے پر ہیں۔“

قرآن مجید کی یہ تصریحات اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتیں کہ محمد ﷺ پچھلے پیغمبروں میں سے کسی کی تکذیب یا کسی کے لائے ہوئے پیغام کی تردید کرنے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ اس لیے آئے تھے کہ اسی سچے مذہب کو، جو اوّل دن سے تمام قوموں کے پیغمبر پیش کرتے چلے آئے تھے، بعد کے لوگوں کی ملاوٹوں سے پاک کر کے پھر پیش کر دیں۔

۴۔ اسی طرح قرآنِ مجید اپنے لانے والے کی صحیح حیثیت واضح کرنے کے بعد ان کاموں کی تفصیل بیان کرتا ہے جن کے لیے اللہ نے اسے بھیجا تھا۔

یہ کام بہ حیثیت مجموعی دو شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شعبہ تعلیمی۔ دوسرا شعبہ عملی۔

پہلے شعبے کے کام حسبِ ذیل ہیں:

(۱) تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس اور تعلیم کتاب وحکمت:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آلِ عمران:۱۶۴)

”درحقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا رسول اٹھایا، جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو وہ صریح گم راہی میں پڑے ہوئے تھے۔“

تلاوتِ آیات سے مراد اللہ کے فرامین اور ارشادات جوں کا توں سنا دینا ہے، تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق اور ان کی زندگی کو بری صفات، بری رسموں اور برے طریقوں سے پاک کیا جائے اور ان کے اندر اچھے اوصاف، پاکیزہ اخلاق اور صحیح طریقوں کو نشو ونما دیا جائے۔ تعلیم کتاب وحکمت یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی کتاب کا صحیح منشا و مدعا سمجھایا جائے، ان کے اندر ایسی بصیرت پیدا کی جائے کہ وہ کتاب کی اصل روح تک پہنچ سکیں اور انھیں وہ حکمت سکھائی جائے، جس سے وہ اپنی زندگی کے تمام مختلف وسعت پذیر پہلوؤں کو کتاب اللہ کے مطابق ڈھالتے چلے جائیں۔

(۲) تکمیلِ دین:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (المائدہ:۳)

”آج میں نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کے طریقے کو پسند کیا۔“

دوسرے الفاظ میں قرآن کے بھیجنے والے نے اس کے لانے والے سے صرف اتنی ہی خدمت نہیں لی کہ وہ اس کی آیات کی تلاوت کرے، نفوس کا تزکیہ کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے، بلکہ اس نے اپنے اسی نیک بندے کے ذریعے سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، جو

آیات نوعِ انسانی تک بھیجنی تھیں وہ سب اس کے واسطے سے بھیج دیں۔ جن خرابیوں سے انسانی زندگی کو پاک کرنا مقصود تھا وہ سب اس کے ہاتھوں سے دور کرا کے دکھا دیں۔ جن خوبیوں کا نشو و نما جس شان کے ساتھ افراد اور سوسائٹی میں ہونا چاہیے تھا اس کا بہترین نمونہ اس کی رہ نمائی میں پیش کر دیا اور کتاب و حکمت کی ایسی تعلیم اس کے ذریعے سے دلوادی کہ آنے والے تمام زمانوں میں مقصودِ کتاب کے مطابق انسانی زندگی کی تشکیل و تعمیر کی جا سکتی ہے۔

(۳) ان تمام اختلافات کی حقیقت واضح کرنا، جو اصل دین میں پچھلے انبیا کی امتوں کے درمیان پیدا ہو گئے تھے اور تمام پردوں کو ہٹا کر، تمام آمیزشوں کو چھانٹ کر، تمام الجھنوں کو صاف کر کے، اس راہِ راست کو پوری روشنی میں نمایاں کر دینا، جس کی پیروی ہمیشہ سے خدا کی رضا کو پہنچنے کی ایک ہی راہ رہی ہے:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (النحل: ۶۳، ۶۴)

"بہ خدا کہ ہم نے (اے محمدؐ) تم سے پہلے مختلف امتوں کی طرف ہدایت بھیجی، مگر اس کے بعد شیطان نے ان کے غلط اعمال کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا چناں چہ آج وہی ان کا سرپرست بنا ہوا ہے اور وہ دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ہم نے تم پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے کہ اس حقیقت کو ان کے سامنے واضح کر دو، جس میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، اور اس لیے کہ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہو ان لوگوں کے لیے جو اس کی پیروی قبول کر لیں۔"

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ۙ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ

السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○ (المائدہ:۱۵،۱۶)

''اے اہلِ کتاب تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، جو تمھارے سامنے بہت سی ان چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، جنھیں تم کتاب میں سے چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک واضح کتاب آ گئی ہے، جس کے ذریعے سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی پسند کے مطابق چلتے ہیں امن و سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور انھیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہ نمائی کرتا ہے۔

(۴) نافرمانوں کو ڈرانا، فرماں برداروں کو رحمتِ الٰہی کی خوش خبری دینا اور اللہ کے دین کی اشاعت کرنا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا○ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا○ (الاحزاب:۴۵،۴۶)

''اے نبی! ہم نے تم کو گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور ایک روشن گر آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔''

دوسرا شعبہ عملی زندگی اور اس کے معاملات سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے دو کام ہیں:

(۱) نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، حرام و حلال کی حدود قائم کرنا اور انسان کو خدا کے سوا دوسروں کی عائد کردہ پابندیوں سے آزاد اور ان کے لادے ہوئے بوجھوں سے ہلکا کرنا:

یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○

(الاعراف:۱۵۷)

''وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا

ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے اور ان بندشوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ دبے اور جکڑے ہوئے تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت کریں اور اس نور کی پیروی کریں، جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

(۲) بندگانِ خدا میں حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ وَلَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ۙ (النساء:۱۰۵)

''اے محمد! ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ تم اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرو اور خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنو۔''

(۳) اللہ کے دین کو اس طرح قائم کر دینا کہ انسانی زندگی کا پورا نظام اسی کے تابع ہو اور دوسرے سب طریقے اس کے مقابلے میں دب کر رہ جائیں:

ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ؕ (الفتح:۲۸)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے پوری جنسِ حق پر غالب کر دے۔''

اس طرح نبی کے کام کا یہ شعبہ سیاست، عدالت، اصلاحِ اخلاق و تمدن اور قیامِ تہذیبِ صالح کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو جاتا ہے۔

(۴) محمد ﷺ کا یہ کام کسی ایک قوم یا ملک یا دور کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام نوعِ انسانی کے لیے اور تمام زمانوں کے لیے عام ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ (سبا:۲۸)

''اے محمد! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۵۸)

''اے محمدؐ! کہو، اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں، اس خدا کا جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے، جس کے سوا کوئی خدا نہیں، جو مارنے اور جلانے والا ہے۔ پس ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول نبی امی پر جو خدا اور اس کے فرامین پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو، امید ہے کہ تم راہِ راست پالو گے۔''

وَ اُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ (الانعام:۱۹)

''(اے محمدؐ! کہو) اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تا کہ میں اس کے ذریعے سے تم کو متنبہ کروں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے۔''

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝

(التکویر:۲۷،۲۸)

''یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔ ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے راست رو بننا چاہے۔''

(۵) نبوتِ محمدی کی ایک اور خصوصیت قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس پر سلسلۂ نبوت و رسالت ختم کر دیا گیا اور اس کے بعد دنیا کو پھر کسی نبی کی حاجت باقی نہ رہی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (الاحزاب:۴۰)

''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔''

یہ درحقیقت لازمی نتیجہ ہے نبوتِ محمدی کی عالم گیری اور ابدیت اور تکمیلِ دین کا۔ چوں کہ

قرآن کے مذکورہ بالا بیانات کی رو سے محمد ﷺ کی نبوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے نہ کہ ایک قوم کے لیے اور ہمیشہ کے لیے ہے نہ کہ ایک زمانے کے لیے، اور آپ کے ذریعے سے وہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے، جس کے لیے دنیا میں انبیاء کے آنے کی ضرورت تھی، اس لیے یہ سراسر معقول بات ہے کہ آپ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ اس مضمون کو خود نبی ﷺ نے بہترین اسلوب کے ساتھ ایک حدیث میں واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری مثال نبیوں میں ایسی ہے، جیسے کسی شخص نے ایک نہایت خوب صورت مکان بنایا اور تمام عمارت بنا کر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ اب جو لوگوں نے اس کے گرد چکر لگایا تو وہ خالی جگہ انھیں کھٹکنے لگی اور وہ کہنے لگے کہ اگر یہ آخری اینٹ بھی رکھ دی جاتی تو مکان بالکل مکمل ہو جاتا۔ سو وہ آخری اینٹ جس کی جگہ نبوت کے محل میں باقی رہ گئی تھی میں ہی ہوں اب میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس مثال سے ختمِ نبوت کی وجہ صاف سمجھ میں آ جاتی ہے۔ جب دین کامل ہو چکا، آیاتِ الٰہی پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکیں، اوامر و نواہی، عقائد و عبادات، تمدن و معاشرت، حکومت و سیاست، غرض انسانی زندگی کے ہر شعبے کے متعلق پورے پورے احکام بیان کر دیے گئے اور دنیا کے سامنے اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ اس طرح پیش کر دیا گیا کہ ہر قسم کی تلبیس و تحریف سے پاک ہے اور ہر عہد میں اس سے ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے، تو نبوت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف تجدید و تذکیر کی ضرورت رہ گئی ہے، جس کے لیے علمائے حق اور مومنین صادقین کی جماعت کافی ہے۔

(۶) آخری سوال جو دریافت طلب رہ جاتا ہے، یہ ہے کہ اس کتاب کا لانے والا ذاتی طور پر کس قسم کے اخلاق کا انسان تھا؟ اس سوال کے جواب میں قرآن مجید نے دوسری رائج الوقت کتابوں کی طرح اپنے لانے والے کی تعریف کے پل نہیں باندھے ہیں، نہ آپ کی تعریف کو ایک مستقل موضوعِ گفتگو بنایا ہے۔ البتہ آمدِ سخن میں محض اشارتاً آں حضرت کی اخلاقی خصوصیات ظاہر کی ہیں، جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وجودِ مسعودؐ میں کمالِ انسانیت کے بہترین خصائص موجود تھے۔

(۱) وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا اخلاق کے نہایت بلند مقام پر تھا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (القلم:۴)

"اور اے محمد! بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔"

(۲) وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا ایک ایسا راسخ العزم مستقیم الارادہ اور اللہ پر ہر حال میں بھروسا رکھنے والا انسان تھا کہ، جس وقت اس کی ساری قوم اسے مٹا دینے پر آمادہ ہوگئی تھی اور وہ صرف ایک مددگار کے ساتھ ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوا تھا، اس سخت مصیبت کے وقت بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور اپنے عزم پر قائم رہا:

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبہ:۴۰)

"(یاد کرو) جب کہ کافروں نے اسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

(۳) وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا ایک نہایت فراخ حوصلہ اور فیاض انسان تھا، جس نے اپنے بدترین دشمنوں کے لیے بھی بخشش کی دعا کی اور آخر اللہ تعالیٰ کو اسے اپنا یہ قطعی فیصلہ سنا دینا پڑا کہ وہ ان لوگوں کو نہیں بخشے گا:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۘ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۘ○ (التوبہ:۸۰)

"چاہے تم ان کے لیے معافی مانگو چاہے نہ مانگو، اگر تم ستر بار بھی ان کے لیے معافی مانگو گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہ کرے گا۔"

(۴) وہ بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کا مزاج نہایت نرم تھا۔ وہ کبھی کسی کے ساتھ درشتی سے پیش نہیں آتا تھا اور اسی لیے دنیا اس کی گرویدہ ہوگئی تھی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ ○ص (آل عمران:۱۵۹)

"یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے ساتھ نرم ہو، ورنہ اگر تم زبان کے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ کر الگ ہو جاتے۔"

(۵) وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا بندگانِ خدا کو راہِ راست پر لانے کی سچی تڑپ دل میں رکھتا تھا اور ان کے گم راہی پر اصرار کرنے سے اس کی روح کو صدمہ پہنچتا تھا، حتیٰ کہ وہ ان کے غم میں گھلا جاتا تھا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا٥ (الکہف:۶)

"اے محمدؐ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ان کے پیچھے رنج و غم میں اپنی جان کھو دو گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔"

(۶) وہ بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کو اپنی امت سے بے حد محبت تھی، وہ ان کی بھلائی کا حریص تھا، ان کے نقصان میں پڑنے سے کڑھتا تھا، اور ان کے حق میں سراپا شفقت و رحمت تھا:

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ٥ (التوبہ:۱۲۸)

"تمھارے پاس خود تم ہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے، جسے ہر وہ چیز شاق گزرتی ہے، جو تمھیں نقصان پہنچانے والی ہو، جو تمھاری فلاح کا حریص ہے اور اہلِ ایمان کے ساتھ نہایت شفیق و رحیم ہے۔"

(۷) وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا صرف اپنی قوم ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے اللہ کی رحمت تھا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ٥ (الانبیاء:۱۰۷)

"اے محمدؐ! ہم نے تو تم کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

(۸) وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا راتوں کو گھنٹوں اللہ کی عبادت کرتا اور خدا کی یاد میں کھڑا رہتا تھا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ (المزمل:۲۰)

"اے محمدؐ! تمھارا رب جانتا ہے کہ تم رات کو تقریباً دو تہائی حصہ تک اور کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی حصہ تک نماز میں کھڑے رہتے ہو۔"

(۹) وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا ایک سچا انسان تھا، نہ کبھی اپنی زندگی میں راہِ حق سے بھٹکا، نہ فاسد خیالات سے متاثر ہوا اور نہ کبھی اس نے ایک لفظ خواہشِ نفس کی پیروی میں حق کے خلاف زبان سے نکالا:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۗ

(النجم:۲،۳)

"لوگو! تمھارا صاحب نہ کبھی سیدھی راہ سے بھٹکا اور نہ صحیح خیالات سے بہکا اور نہ وہ خواہشِ نفس سے بولتا ہے۔"

(۱۰) وہ بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کی ذات تمام عالم کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ تھی اور اس کی پوری زندگی کمالِ اخلاق کا صحیح معیار تھی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

"تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ ہے۔"

قرآن مجید کا تتبع کرنے سے صاحبِ قرآن کی بعض اور خصوصیات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ لیکن اس مضمون میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ جو کوئی قرآن کا مطالعہ کرے گا وہ خود دیکھ لے گا کہ بہ خلاف دوسری موجود الوقت مذہبی کتابوں کے یہ کتاب اپنے لانے والے کو جس رنگ میں پیش کرتی ہے وہ کس قدر صاف، واضح اور آلودگی سے پاک ہے۔ اس میں نہ الوہیت کا کوئی شائبہ ہے، نہ تعریف و ثنا میں مبالغہ ہے، نہ غیر معمولی قوتیں آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، نہ آپ کو خدا کے کاروبار میں شریک و سہیم بنایا گیا ہے اور نہ آپ کو ایسی کمزوریوں سے متہم کیا گیا ہے، جو ایک ہادی اور داعی الی الحق کی شان سے گری ہوئی ہوں۔ اگر اسلامی لٹریچر کی دوسری تمام

کتابیں دنیا سے ناپید ہو جائیں اور صرف قرآن مجید ہی باقی رہ جائے تب بھی رسولِ اکرمؐ کی شخصیت کے متعلق کسی غلط فہمی، کسی شک و شبہے اور کسی لغزشِ عقیدت کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ ہم اچھی طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کتاب کا لانے والا ایک کامل انسان تھا، بہترین اخلاق سے متصف تھا، انبیاء سابقین کی تصدیق کرتا تھا، کسی نئے مذہب کا بانی نہ تھا اور کسی فوق البشر حیثیت کا مدعی نہ تھا۔ اس کی دعوت تمام عالم کے لیے تھی، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے چند مقرر خدمات پر مامور کیا گیا تھا اور جب اس نے خدمات کو پوری طرح انجام دے دیا تو نبوت کا سلسلہ اس کی ذات پر ختم ہو گیا۔